سلام بن رزاق کے افسانوں میں جنسی بے راہ روی کی عکاسی

(مجموعہ شکستہ بتوں کے درمیان کے تناظر میں)

محمد نسیم (ریسرچ اسکالر)

شعبۂ اردو

یونیورسٹی آف حیدرآباد

MOB - 9618474155

ملخص

لوگ شخصی آزادی اور خود کو جدید معاشرے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ خود ہمارا معاشرہ انھیں لوگوں کو ترقی یافتہ سمجھنے لگا ہے جو جدید طرز معاشرت میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں، جدید طرز معاشرت میں تعلیم کی شرح بلند ہوئی ہے لیکن جنسی بے راہ روی بھی عمومیت کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ ایسی معاشرت کی طرف آج کا نوجوان طبقہ خاص طور پر للچاتی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور ایک جست میں اپنے آپ کو اس صف میں کھڑا کر دینا چاہتا ہے۔ 1970ء کے بعد کے افسانہ نگاروں میں سلام بن رزاق ایک اہم افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعہ ''شکستہ بتوں کے درمیان'' میں جہاں فرقہ وارانہ فسادات، خودداری اور اخلاقی اقدار کی گراوٹ جیسے موضوعات ملتے ہیں تو ساتھ ہی جنسی بے راہ روی کے موضوع بھی جا بجا ملتے ہیں۔ سلام بن رزاق کے اس موضوع پر لکھے گئے افسانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ منٹو سے کسی حد تک متاثر ہیں۔

سلام بن رزاق کے افسانوں میں جنسی بے راہ روی کی عکاسی

(مجموعہ شکستہ بتوں کے درمیان کے تناظر میں)

جنسی بے راہ روی موجودہ تمام سماجی حقائق میں سے ایک حقیقت ہے۔ایک ایسی حقیقت جس سے معاشرہ شعوری یا غیر شعوری طور پر لطف اندوز ہونا چاہتا ہے لیکن اس کا اظہار جرم سمجھتا ہے۔جرم اس لیے کہ ہمارا مشرقی معاشرہ اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ لوگ جنسی بے راہ روی کے شکار ہوں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشرتی ممانعت کے باوجود بھی یہ معاشرہ کا حصہ کیوں کر بن گیا؟اس کا سیدھا سا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممانعت صرف نصیحت کے وقت دوسروں کے لیے ہوتی ہیں خود کے لیے نہیں۔آج کے دور میں زبان، وعدہ، اصول وانسانیت کی وقعت نہیں رہی۔قول و فعل میں تضاد عام سی بات ہے۔

یہاں یہ بات محل نظر ہے کہ جنسی بے راہ روی جب ایک قابل نفرت اور گھناونا عمل ہے تو ایک تخلیق کار اسے اپنی تخلیق کا موضوع کیوں بناتا ہے؟۔ظاہر ہے کہ تخلیق کار کا موضوع بنانا اس بات پر دال ہے کہ معاشرہ میں کہیں نہ کہیں اس کا وجود ضرور ہے اور جسے معاشرے میں محسوس کیا جارہا ہے جو پورے معاشرہ کو اپنے زد میں لینے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ایک تخلیق کار معاشرے کی اس کج روی سے بے چین ہوجاتا ہے اور ان خفیہ طور پر روبہ عمل ہونے والے جنسی جرائم کو عوام کے سامنے پیش کر کے اس سے احتراز کرانے کی کوشش کرتا ہے۔اس کی حساس نظر یہ بات تسلیم کرنے سے منع کر دیتی ہے کہ کسی عورت کے عصمت فروش ہونے میں صرف وہ عورت ذمہ دار ہے بلکہ اپنے عمیق مشاہدے کے سبب اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ اس عمل میں مرد وعورت دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔مرد پہلے عورت کی عصمت کو چند پیسوں کے عوض خرید کر لطف اندوز ہوتا ہے پھر اسی عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اسی سے متعلق سعادت حسن منٹو اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''عصمت فروش عورت ایک زمانے سے دنیا کی سب سے ذلیل ہستی سمجھی جاتی

رہی ہے۔مگر کیا ہم نے غور کیا کہ ہم میں سے اکثر ایسی ذلیل وخوار ہستیوں کے در
پر ٹھوکریں کھاتے ہیں؟۔۔۔کیا ہمارے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ہم بھی
ذلیل ہیں۔''

سعادت حسن منٹو،منٹونما،سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور،2003،ص627

اگر عصمت فروشی کو گھناونا عمل سمجھ کر اس سے مکمل بے اعتنائی برتی جائے یا عصمت کی قیمت مال ودولت اور عہدہ سے نہ لگائی جائے تو یقیناً عصمت فروشی کا لفظ اپنا وجود کھو بیٹھے گا۔

1970ء کے بعد کے افسانہ نگاروں میں سلام بن رزاق ایک اہم افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ان کے افسانوی مجموعہ ''شکستہ بتوں کے درمیان'' میں جہاں فرقہ وارانہ فسادات ،خودداری اور اخلاقی اقدار کی گراوٹ جیسے موضوعات ملتے ہیں تو ساتھ ہی جنسی بے راہ روی کے موضوع بھی جا بجا ملتے ہیں۔سلام بن رزاق کے اس موضوع پر لکھے گئے افسانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ منٹو سے کسی حد تک متاثر ہیں۔اگر چہ افسانہ ''روزگار'اور آواز گریہ' کے سوا سلام بن رزاق کے افسانوں میں منٹو جیسی بے باکی نظر نہیں آتی لیکن دیگر افسانوں میں دور سے منٹو کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔منٹو جنسیات پر لکھے گئے اپنے افسانوں کی وکالت اس لیے کرتا ہے کہ ان کے کردار جسم فروشی شوقیہ نہیں کرتے بلکہ مفلسی وناداری سے بچنے کے لئے کرتے ہیں۔سلام بن رزاق کے کردار بھی اس کے شکار ذریعہ معاش کے سبب ہوتے ہیں لیکن ایک اور سبب شہرت وعزت بھی ہے۔وہ پیشہ ور جسم فروش نہیں ہے لیکن اپنے اصل مقصد کی تکمیل کے لیے جنسی تعلق سے گریز بھی نہیں کرتا۔

افسانہ ''روزگار'' کا کردار اشوک ایک ایسا ہی کردار ہے جو گاؤں سے ممبئی فلمی دنیا کا ہیرو بننے کی خواہش لے کر آتا ہے۔ایک انٹرویو میں اس کی ملاقات ''چمپا'' نام کی لڑکی سے ہوتی ہے۔''چمپا'' بھی بالی ووڈ کی ہیروئن بننے کی جدوجہد کر رہی ہے۔''اشوک'' ایک بھولا سا لڑکا ہے۔وہ دنیا کے مکروہ چہروں سے بالکل ناواقف ہے۔چمپا اسے لے کر فلم پروڈیوسر مسٹر بھلا کی بیوی کے پاس جاتی ہے۔مسز بھلا اشوک کو اشارتاً لالچ دیتی ہے کہ وہ اپنے شوہر سے بات کر کے کسی فلم میں ہیرو کا کردار دلا دیں گی۔اشوک کو اس بات پر یقین ہو جاتا ہے۔لیکن اشوک کے پیر اس وقت کانپنے لگتے ہیں جب مسز بھلا اس کو جسمانی رشتے کی دعوت دیتی ہے۔اشوک ہیرو بننے کے لیے جدوجہد کرنا چاہتا ہے اور گزارے کے لیے کچھ وقت

ملازمت بھی کرنا چاہتا ہے۔مسز بھلا اشوک کو جسمانی رشتے کے عوض پیسہ بھی دیتی ہے اور ہیرو کے لیے اپنے شوہر سے سفارش کی امید بھی دلاتی ہے۔ایسے حالات میں اشوک مسز بھلا کی اس پیش کش کو ٹھکرا نہیں پاتا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی مسز بھلا سے جسمانی تعلق قائم کر لیتا ہے۔سلام بن رزاق اپنے الفاظ میں یوں لکھتے ہیں:

''گھبراؤ نہیں۔۔۔میں تمھیں کھا نہیں جاؤں گی۔سنو! تمھیں ہفتے میں ایک دن اسی ٹائم آنا ہوگا۔ایک دن کے دو سو روپے ملیں گے۔''

پ۔۔پر کام کیا ہے؟''

مسز بھلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کام؟''

پھر اس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑی ہو گئیں اور بولیں۔

''اس میکسی کی زپ کھولو''

سلام بن رزاق،شکستہ بتوں کے درمیان،ایڈشاٹ پبلی کیشنز ممبئی،2001،ص176

یہ صرف اشوک کی کہانی نہیں ہے بلکہ اشوک نمائندہ ہے ان تمام نوجوانوں کا جو فلم انڈسٹری میں اپنی جگہ بنانے کی تگ و دو کر رہے ہوتے ہیں وہ اکثر اسی طرح مصلحت کا شکار ہو کر جنسی بے راہ روی کو اپنی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔مسز بھلا کے پاس دولت کی فراوانی ہے لیکن جنسی تشنگی کی سیرابی اس لیے نہیں ہو پاتی ہے کیونکہ ان کے شوہر مصروفیات کی وجہ سے بیوی کو وقت نہیں دے پاتے یا پھر کوئی نئی لڑکی کو ہیروئن بنانے کی ایک خام امید دلا کر جنسی استحصال کرتے رہتے ہیں۔

سلام بن رزاق کا بالی ووڈ فلم انڈسٹری سے تعلق رہا ہے۔وہ خود بھی انڈسٹری میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتے تھے لیکن انڈسٹری کے تقاضوں پر پورا نہ اتر پانے کے سبب خود ہی کنارہ کش ہو گئے۔انھوں نے آندھی میں چراغ، خون بہا،انجام کار اور باہم جیسی ٹیلی فلمیں لکھی ہیں اور''ایک لمبی رات'' کے نام سے شارٹ فلم بھی لکھی ہے۔اس کے علاوہ ''انگارہ وادی،تیرا ساتھ اور نائک بنا کھلنائک'' کے نام سے نیچر فلمیں بھی لکھی ہیں۔اگر چہ اب وہ فلموں کے لیے کچھ نہیں لکھ رہے ہیں لیکن فلم انڈسٹری کا مرکز ممبئی میں رہنے کی وجہ سے فلمی دنیا کے کئی لوگوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔اسی واقفیت کی بنا پر سلام بن رزاق نے

ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو ظاہری طور پر فلموں میں کام کر رہے ہیں لیکن خفیہ طور پر ان کام کے لیے جنسی بے راہ روی کے شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

مذکورہ اقتباس افسانے کا اختتامیہ حصہ ہے، ایک تخلیق کار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے جس موڑ پر چاہے افسانے کو ختم کر دے۔ سلام بن رزاق نے اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے اشوک کے بارے میں یہ تو بتا دیا کہ وہ جنسی بے راہ روی کا شکار ہو گیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ ہیرو بننے میں کامیاب ہوا یا نہیں۔ دراصل تخلیق کار کو اس سے سروکار نہیں ہے کہ وہ زندگی کے کس اعلیٰ مقام پر ہے۔ اسے سروکار ہے تو صرف اس بات سے کہ وہ جس بھی مقام پر ہے اس سے سماج پر مثبت و منفی اثرات کیا مرتب ہو رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اشوک جنسی طور پر استعمال ہوتے ہوتے ہیرو بن بھی گیا ہو لیکن اس وقت اشوک کا ہیرو بننا اس لیے لائق تحسین نہیں سمجھنا چاہیے کیوں کہ اس نے اپنی منزل کو پانے کے لیے غیر سماجی اور غیر اخلاقی راستے کو اختیار کیا ہے۔

افسانے کے اختتام پر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا اس افسانے کے پس پردہ سلام بن رزاق فلم انڈسٹری سے بیزاری چاہتے ہیں؟ یا پھر جنسی بے راہ روی کو فروغ دینا چاہتے ہیں؟ تو میں ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دوں گا۔ ان کا مقصد فلموں سے بیزاری ہرگز نہیں اور نہ ہی ایکٹر بننا کوئی غیر انسانی فعل ہے۔ سلام بن رزاق سماج سے مطالبہ کرتے ہیں تو اس بات کا کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے جسم کا سودا نہ لگایا جائے۔ وہ بہتر اور اچھے سماج کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں سماج میں بدلاؤ کا۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ ادب سے سماج میں مکمل تبدیلی نہیں لائی جا سکتی پھر بھی ادب سے اتنی امید ضرور ہے کہ وہ تبدیلی کے لیے قاری کی ''ذہن سازی'' کر سکتا ہے۔ سلام بن رزاق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ''رہی معاشرہ میں بدلاؤ نہ آنے کی وجوہات تو میری ناقص رائے ہے۔ ادب براہِ راست معاشرے میں بدلاؤ لانے کا اہل نہیں ہوتا البتہ وہ بدلاؤ لانے میں عوام کی ذہن سازی ضرور کرتا ہے۔ میرے علم میں اب تک کوئی معاشرہ یا ملک نہیں جہاں صرف ادب کی وجہ سے بدلاؤ آیا ہو، ادب اپنے قارئین کے ذہنوں میں دھیرے دھیرے نفوذ کرتا ہے اور بدلاؤ کے لیے زمین ہموار کرتا ہے''۔

ماہنامہ، چہارسو، راولپنڈی، پاکستان، جلد 24، شمارہ، ستمبر۔اکتوبر 2015، 23

جنسی بے راہ روی ایک ایسا موضوع ہے جسے پڑھتے ہی ہمارا ذہن عورت کی بدکرداری کی طرف چلا جاتا ہے اور یہ بھی کہ سماج میں جنسی بے راہ روی کا چلن عورتوں کے دم سے ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے کم از کم اس صدی میں تو قطعاً نہیں ہے۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ 21 ویں صدی سے قبل بعض جگہوں پر طوائف خانے ہوتے تھے جہاں عورتیں جسم فروشی کرتی تھیں لیکن وہاں بھی عورتوں کو خریدنے والا مرد ہی ہوتا تھا یوں ہم کسی ایک کو حتمی طور پر اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ موجودہ دور میں اگر چہ وہ طوائفوں کے مکانات نہیں رہے لیکن ابھی بھی جسم کو کسی نہ کسی شکل میں بیچا جاتا ہے۔ گو اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ خود غرضی، غیر انسانیت، اخلاقی کج روی اور عیاری معاشرے کا ایک ناقابل انکار حصہ بن چکا ہے۔ انسان ہر حال میں سب سے آگے نکل جانے کی تگ و دو میں ہے، انسان اپنی منزل تک پہنچنے میں اس قدر تیز رفتار ہو چکا ہے کہ اس کے نزدیک جنسی بے راہ روی لائقِ اجتناب عمل نہیں رہا۔ سلام بن رزاق بہت گہری نظر سے سماج کی اس بدفعالی کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ مرد و عورت میں سے کسی کی حمایت نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کے ایک دوسرے پر بالادستی کے قائل ہیں۔ وہ صنفی تفریق کیے بغیر ہر طبقے میں اس کا وجود دیکھ رہے ہیں۔

انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ اگر سماج کی اس حقیقت کو پیش کیا کہ کس طرح ایک فارغ البال عورت اپنی جنسی آسودگی کو پورا کرنے کے لیے نوعمر لڑکوں کا جنسی یرغمال کر رہے تو دوسری طرف اس حقیقت سے بھی نظر انداز نہیں کیا کہ کس طرح ایک عیار، مکار شخص عورتوں کو روشن مستقبل کا خواب دکھا کر جنسی استحصال کر رہا ہے۔ سلام بن رزاق اپنے افسانہ ''دوسرا قتل'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''وہ فطرتاً ایک نرم دل عورت تھی وہ تم سے جسمانی قربت ضرور چاہتی تھی مگر اس کے لیے خون خرابہ اسے پسند نہیں تھا تم اسے تین دن تک برابر ورغلاتے رہے تم نے اس کے سامنے رنگین مستقبل کا تصور پیش کیا، خوب صورت الفاظ کا طلسم کھڑا کر دیا۔ آخر جنسی طور پر ناآسودہ عورت کو بہکانا کتنا مشکل تھا؟ وہ تمھاری باتوں میں آ گئی۔''

سلام بن رزاق، شکستہ بتوں کے درمیان، ایڈشاٹ پبلی کیشنز ممبئی، 2001، ص 79

مذکورہ اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سلام بن رزاق کے دل میں عورت کے تئیں ہمدردی

موجود ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت جس کا نام رجنی ہے وہ اپنے شوہر سے نفرت نہیں کرتی ہے۔اس کا شوہر کثرت شراب نوشی کی وجہ سے اپنی بیوی سے جسمانی تعلق نہیں رکھ پاتا ہے۔شوہر کا بزنس پارٹنراور دوست شنکر اپادھیائے اس کی بیوی سے اس لیے جسمانی رشتہ بنالیتا ہے تا کہ وہ اس کے شوہر کو بزنس سے بر طرف کر سکے اور ہوا بھی ایسا ہی۔ پورے افسانے کو پڑھتے ہوئے کئی جگہوں پر یہ احساس ہوتا ہے کہ افسانہ کا راوی قاری سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ بھی عورت ''رجنی'' کے ساتھ ہمدردی کرے اور اس کے غم میں شامل رہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ ایک ایسی عورت جو شوہر کی موجودگی کے باوجود غیر مرد سے جسمانی رشتہ بنالے اور اس رشتے کو ابدیت دینے کی خاطر اپنے شوہر کو قتل کرانے میں شامل ہو تو ایسی عورت کے ساتھ ہمدردی وہمنوائی کرنا سماج میں جنسی جرائم کو بڑھاوا دینے کے مترادف ہوگا۔سلام بن رزاق یہ کہتے ہوئے عورت ''رجنی'' کی سیاہ کاریوں کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں کہ ''وہ فطرتاً ایک نرم دل عورت تھی'' تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت کی نرم دلی اپنے عاشق کے ساتھ ہی کیوں؟ اگر یہی نرم دلی اپنے شوہر سریش کے ساتھ دکھائی جاتی تو سریش کا قتل نہیں ہوتا۔اور سلام بن رزاق کا یہ کہنا کہ ''آخر جنسی طور پر نا آسودہ وعورت کو بہکانا کتنا مشکل تھا؟ تو کیا ہم جنسی طور پر نا آسودہ عورت کی حمایت اس قدر کریں کہ وہ اپنے شوہر کے قتل کے منصوبے میں شامل ہو جائے ۔یہ دونوں حمایتی جملے جانب داری پر محمول ہیں۔یہاں میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عاشق شنکر اپادھیائے کے ساتھ ہمدردی روا رکھی جائے ،شنکر بھی ایک صحت مند معاشرہ کے لیے مضر شخص ہے کیوں کہ اس نے محض کمپنی پر قابض ہونے کی خاطر اپنے دوست کی بیوی رجنی سے جھوٹی محبت کا جال بچھا کر اس کے قتل کا ذمہ دار ہے۔سریش کے ساتھ بھی ہماری کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس نے خود ہی اپنی زندگی کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے برباد کی ہے۔تینوں ہی رحم کے قابل نہیں ہیں۔جھوٹ ،مکروفریب ،جنسی تقاضے ، اور شراب نوشی جیسے گھناؤنے جرم سے ایک دوسرے میں کڑیاں اس طرح پیوست ہوگئی ہیں کہ نتیجے کے طور پر سبھی کی دنیا تباہ ہوگئیں۔

اس افسانے میں سلام بن رزاق نے ایسے طبقے میں جنسی بے راہ روی کو دکھایا ہے جو کہ اس کے شکار فاقہ کشی کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہی جنسی بے راہ روی میں ملوث ہونے کے اسباب تنگ دستی کو دور کرنا ہے۔ بلکہ وہ کردار اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔عیار عاشق تعلیم یافتہ اور ایک کمپنی کا مینیجر بھی ہے۔یہاں یہ تلخ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ صرف نچلے اور دبے کچلے طبقے میں ہی جنسی

بے راہ روی نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ اعلیٰ سوسائٹی میں بھی ایسے گھناونے عمل ہوتے رہتے ہیں۔اور یہی موجودہ عہد کی صحیح ترجمانی ہے۔

سلام بن رزاق موجودہ دور میں بدلتے ہوئے سماجی شعور کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں،لوگ شخصی آزادی اور خود کو جدید معاشرے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کو پروان چڑھا رہے ہیں۔خود ہمارا معاشرہ انھیں لوگوں کو ترقی یافتہ سمجھنے لگا ہے جو جدید طرز معاشرت میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں،جدید طرز معاشرت میں تعلیم کی شرح بلند ہوئی ہے لیکن جنسی بے راہ روی بھی عمومیت کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ایسی معاشرت کی طرف آج کا نوجوان طبقہ خاص طور پر للچاتی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور ایک جست میں اپنے آپ کو اس صف میں کھڑا کر دینا چاہتا ہے۔چوں کہ ان نوجوان نسلوں کے ذہن میں یہ بات سرایت کر چکی ہے کہ ہم ترقی یافتہ تب ہی تسلیم کیے جائیں گے جب ہم جدید طرز معاشرت کو اپنا لیں گے اور دوستی کا مقدس نام دے کر جنس مخالف سے جسمانی رشتے قائم کر لیں گے۔اسی ذہنیت کی عکاسی سلام بن رزاق یوں کرتے ہیں:

''بھئی ہم لوگوں نے تمھیں آزادی دے رکھی ہے اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم
آوارہ لڑکیوں کی طرح سگریٹ پھونکو،
چرس کے دم لگاؤ،اور روزانہ رات گئے اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ گھر لوٹو۔''
''پاپا اس میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے،جس پر آپ کو پریشانی ہو میری سب سہیلیاں
یہی کرتی ہیں۔''

سلام بن رزاق،شکستہ بتوں کے درمیان،ایڈشاٹ پبلی کیشنز:ممبئی،2001،ص16

باپ بیٹی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے لیکن بیٹی اپنے آپ کو موجودہ معاشرہ کا حصہ بتا کر خاموش کر دیتی ہے۔ادھر بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے ماں کہتی ہے۔

''آج کل آپ بلاوجہ معمولی معمولی باتوں سے پریشان ہو جاتے ہیں۔آپ ہی تو
کہا کرتے تھے۔آدمی کو سوسائٹی کے رنگ میں ڈھلنا چاہیے۔
ناز و جو کچھ کر رہی ہے وہ آج کل کے سوسائٹی کا تقاضا ہے۔''

سلام بن رزاق،شکستہ بتوں کے درمیان،ایڈشاٹ پبلی کیشنز:ممبئی،2001،ص16

یہ موجودہ عہد کا تبدیل ہوتا ہوا منظر نامہ ہے جسے سلام بن رزاق نے چند سطروں میں پیش کر دیا ہے۔ سلام بن رزاق نے اس افسانے میں نہ صرف سماج میں پھیلتے ہوئے جنسی بے راہ روی کو پیش کیا بلکہ اس کے منفی نتائج کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ایک دن نازو نے آ کر بتایا وہ ماں بننے والی ہے'' نازو پندرہ سال کی بچی ہے جو کالج میں پڑھائی کرتی ہے نازو کے کمسنی میں حاملہ ہونے کی خبر سے اسکی ماں کسی صدمے سے دوچار نہیں ہوتی بلکہ کسی الجھن کا شکار ہوئے بغیر آسانی سے نازو کا حمل ساقط کرا دیا جاتا ہے۔ سلام بن رزاق اس جنسی نتیجہ کو پیش نہیں کرتے تب بھی ان کا افسانہ پورے اثر انگیزی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا لیکن نہیں انھوں نے اس نتیجے کو پیش کر کے سماج کو دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ اس کے قلع وقمع کی تدابیر تلاش کریں۔

اس سمت کی طرف صرف عورتوں اور لڑکیوں ہی نے پیش قدمی نہیں کی ہے بلکہ عالمی تناظر میں دیکھا جائے تو لڑکے و لڑکیاں، مرد و عورت سبھی جنسی حفاظت کا لباس دور پھینک کر ایک ہی کشتی میں سفر کر رہے ہیں۔ دونوں ہی جنسوں میں ذہنی طور پر منفی تبدیلی آ چکی ہے۔ جنسی ہوس کے پرستارانہ ماحول میں پرورش پانے والے افراد زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ساتھ جسمانی تعلق بنانے ہی میں اپنی شانِ امتیاز سمجھنے لگے ہیں۔ کسی ایک لڑکی یا لڑکے کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کو تہذیب و کلچر کے منافی سمجھا جانے لگا ہے، سلام بن رزاق ایسے ذہنیت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وہ تین مہینوں سے اسے ایک کٹھ پتلی کی طرح نچا رہی تھی۔ مگر ادھر چند دنوں سے اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے اشوک کو اپنے سے باندھے رکھنے کے لیے جو جال بچھا رکھا ہے اس میں خود بھی الجھتی جا رہی ہے۔ جب سے اشوک کے ساتھ اس کی راتیں گزرنے لگی تھیں اس کا بزنس کی طرف سے دھیان کم ہو گیا تھا۔ اور اس کی آمدنی گھٹنے لگی تھی۔ پھر ہر دوسرے روز اشوک بھی اس سے پندرہ بیس بیکاری بھتا مانگ ہی لیتا تھا یا وہ خود اسے دے دیتی تھی۔ یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک چل نہیں سکتا تھا۔ اس لیے اس نے چند روز پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی طرح اشوک سے پیچھا چھڑا لے گی۔''

سلام بن رزاق، شکستہ بتوں کے درمیان، ایڈشاٹ پبلی کیشنز ممبئی، 2001، ص 168

اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ جسمانی رشتے بنانے میں پہل لڑکی نے کی تھی لیکن جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اس لڑکے کے چکر میں اپنے پرانے آشناؤں سے دور ہوتی جارہی ہے تو پھر وہ خود ہی اس سے الگ ہونا چاہتی ہے۔

یہ کہانی دراصل فلم انڈسٹری سے متعلق ہے، جہاں اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے جسمانی تعلق کو زینہ تصور کیا جاتا ہے۔ سلام بن رزاق نے اس افسانے میں دو کردار 'اشوک اور چمپا کے ذریعہ پوری فلم انڈسٹری کی اندرونی حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کردیا، اشوک چمپا سے اس امید پر جنسی تعلق کو روا رکھتا ہے کہ وہ کسی دن فلموں میں اکٹنگ کا موقع دلائے گی اور چمپا کئی پروڈیوسروں اور ڈائرکٹروں کے بستر کی زینت اس امید پر بن جاتی تھی کہ شاید اگلی صبح جب وہ جاگے تو اس کے ہاتھ میں کسی نئی فلم کی ہیروئن کا کا نٹریکٹ ہو لیکن چمپا کی یہ امیدیں محض خام امیدیں بن کر رہ گئیں۔ ہیروئن بننے کی امید میں اس کی جوانی ڈھلنے کے قریب پہنچ چکی ہے لیکن وہ ایکسٹرا سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ پاتی ہے۔ یہ دراصل ان تمام نوجوانوں کا المیہ اور فلم انڈسٹری پر قابض افراد کی زیادتیاں ہیں جو ان سے جھوٹے وعدے کر کے محض جنسی تلذذ حاصل کرتے ہیں۔ فلم انڈسٹری میں جنسی استحصال کے ذمہ دار دونوں لوگ ہیں۔ سلام بن رزاق نے افسانے کے ذریعہ اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ جو فلم انڈسٹری میں ناکام ہوجاتے ہیں اور انھیں ترقی کی کوئی امید باقی نہیں رہتی ہے، کیا ایسے افراد نا امیدی کے بعد بھی جنسی رشتے کو ترک کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ نہیں پہلے خود غرضی اور ترقی کی لالچ میں جسم کو دوسرے کے حوالے کر رہا تھا اب اس کی عادت بن چکی ہوتی ہے اور اسے اس کے عوض کچھ پیسے مل جاتے ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے جب تک کہ اس کے جسم میں شہوانی کشش باقی رہتی ہے۔

فلم انڈسٹری سے باہر نکل کر جنسی بے راہ روی کو عالمی تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ صرف جنسی ہوس کی تسکین کی خاطر ایک لڑکی سے رشتے بناتے ہیں پھر ہوس کو پورا کرنے کے بعد دوسری اور تیسری کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ یہ ترقی یافتہ دور کی ذہن سازی ہے کہ انسان مسلسل جنسی ہوس کا شکار ہوتا جارہا ہے پھر بھی اسے اپنے اس فعل پر کوئی پشیمانی نہیں ہورہی ہے۔ بلکہ تفاخرانہ انداز میں اپنے متعلقین سے اس کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔ سلام بن رزاق معاشرے کی اس بدلتی ذہنیت کو اپنی غائرانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ایک کرب کے ساتھ اپنے افسانوں کے ذریعہ اسے منظر عام پر لانے

کی کوشش کرتے ہیں۔افسانہ ''آوازگریہ'' کا واحد متکلم اپنی بیوی سے اپنے ماضی کے کارناموں کو بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> ''میرے ملنے جلنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ان میں عورتیں بھی تھیں، میں نے کئی عورتوں سے دوستیاں کیں بعض سے جسمانی تعلقات بھی قائم کیے مگر گلے میں شادی کا طوق باندھنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔زینب سے پہلے میں عورت کو کھیلنے کی چیز سمجھتا تھا، جھیلنے کی نہیں'' (8)

سلام بن رزاق، شکستہ بتوں کے درمیان، ایڈشاٹ پبلی کیشنز ممبئی، 2001، ص16

اس اقتباس سے آج کے نوعمر لوگوں کی ذہنیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔یقیناً لڑکیوں کا مرد کے شانہ بشانہ چلنا معیوب نہیں ہے۔گھر کی چہار دیواری میں قید رہنا اور اسی چہار دیواری میں بچے اور دیگر لوازمات میں اپنی زندگی کو تمام کردینے سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ ''خاتون خانہ'' اور ''چراغ خانہ'' کا مصنوعی خطاب ٹھکرا کر کھلی فضا میں سانس لے اور عملی زندگی میں مرد کے مساویانہ حصہ داری کی جدوجہد کرے۔عصر حاضر میں لڑکیوں نے اس مساویانہ حصہ داری میں کافی اچھی پیش رفت بھی کر لی ہیں۔لیکن سماج کے ان نوجوان نسلوں کی ذہنیت کو بدلنے کی کیا تدابیر نکلنی چاہیے جو ''عورت کو کھیلنے کی چیز سمجھتا ہے۔'' سلام بن رزاق نے مذکورہ بالا اقتباس میں اسی فکر کی دعوت دی ہے کہ عورتوں کی آزادی کے نعرے سبھی لگاتے ہیں لیکن ایک صالح معاشرہ کا قیام تبھی ممکن ہے جب لوگ لڑکیوں کو شہوانی نظروں سے دیکھنا بند کردیں۔

سلام بن رزاق کے افسانوی مجموعہ ''شکستہ بتوں کے درمیان'' میں کل 16 افسانے شامل ہیں جن میں ایک چوتھائی افسانے ایسے ہیں جسمیں جنسی بے راہ روی سے متعلق واضح نقوش ملتے ہیں۔اب تک جو باتیں کی گئی ہیں انہیں افسانوں کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ان افسانوں میں موضوعاتی لحاظ سے یکسانیت ضرور ہے لیکن تکنیک اور جنسی بے راہ روی کے اسباب جداگانہ ہیں۔دوسری بات یہ کہ جن افسانوں کے اقتباس دیئے گئے ہیں ایسا قطعی نہیں ہے کہ ان افسانوں کا موضوع صرف جنسی بے راہ روی ہی ہے۔ایک افسانے کے کئی مفاہیم ہوسکتے ہیں اور کئی موضوعات کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔یہ قاری کے قوت تفہیم پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ ایک افسانے کے کتنے معنیاتی اور موضوعاتی گرہوں کو کھول سکتا ہے۔

☆☆☆